# اردو رسم الخط کا تاریخی پس منظر: تحقیقی و توضیحی مطالعہ

# Historical Background of Urdu Script: Explanatory & Research Based Study

***Abrar Khan Khattak***

**Abstract**

What is the meaning of script? How different scripts, especially that of Arabic and Indian, originated and evolved? What are the historical and evolutionary relationships between Arabic, Persian, and Urdu? These are some questions whose significance is not hidden to linguistic experts. In this article, the author has proved ancient Egypt as the center and source of all scripts (and it's all forms). According to him, the scripts of Greece, India and other areas have passed evolutionary stages, and that Arabic, Persian, and Urdu scripts have deep historical and evolutionary relations with each other. The author, however, considers the precedence of Urdu over Hindi as an established facts among linguistic experts. It is also a fact that the division between Urdu and Deonaghari script was part of the Fort William College's systematic language policy.

**Key words:** Script, Urdu, Arabic, Persian, Linguistics, Evolution.

**خلاصہ**

رسم الخط کا مفہوم اور املا کیا ہے؟ دنیا کے مختلف رسوم الخط، خصوصاً عربی اور ہندوستانی رسوم الخط کا آغاز وارتقاء کیسے ہوا؟ عربی، فارسی اور اردو رسم الخط کے تاریخی و ارتقائی رشتے کیا ہیں؟ وغیرہ وہ سوالات ہیں جن کی اہمیت ماہرین لسانیات پر مخفی نہیں ہے۔ اس مقالہ میں مقالہ نگار نے قدیم مصر کو تمام رسوم الخط (نقوش و علامات، صوری و مقطعی) کا مرکز و منبع ثابت کیا ہے۔ اس کے مطابق یونان، عرب، ہندوستان اور دیگر مقامات کے رسوم الخط نے بھی ارتقاء کی منزلیں طے کی ہیں اور عربی، فارسی اور اردو رسم الخط میں گہرے تاریخی اور ارتقائی رشتے موجود ہیں۔ تاہم مقالہ نگار ہندی زبان پر اردو کے تقدم کو ماہرین لسانیات کے ہاں ایک مسلمہ حقیقت شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو، دیوناگری رسم الخط کی تقسیم دراصل فورٹ ولیم کالج کی لسانی پالیسی کا حصہ تھی اور منصوبہ بندی کے تحت عمل میں لائی گئی تھی۔

**کلیدی کلمات:** رسم الخط، اردو، عربی، فارسی، لسانیات، ارتقاء۔

## رسم الخط کی تعریف

ماہرینِ ادب و لسانیات نے رسم الخط کی تعریف اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کی ہے۔ ڈاکٹر فضل حق کے مطابق: ''خط وہ علم ہے جس سے حروفِ مفردہ کی صورتیں، اوضاع اور تحریر میں ان کی آپس میں ترکیب دینے کی کیفیت کا بیان ہوتا ہے۔۔۔خط یا تحریر و کتابت؛ افکار و تصوّرات کو حروف یا دیگر قسم کی اشکال کے ذریعے مادی اشیا پر منقوش کر کے محفوظ و قلم بند کرنے کا نام ہے۔''[1] رشید حسن خاں کے مطابق: ''رسم الخط سے مراد کسی زبان کے مخصوص حروف کے ذریعے تحریری اظہار ہے، یا رسم الخط کسی زبان کے لکھنے کی معیاری صورت کا نام ہے۔'' نیز: ''املا دراصل لفظوں میں صحیح حرفوں کے استعمال کا نام ہے اور جو طریقہ ان حرفوں کے لکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے وہ رسم الخط کہلاتا ہے۔۔۔رسم الخط کسی زبان کو لکھنے کی معیاری صورت کا نام ہے جبکہ صحت سے لکھنے کا نام املا ہے۔''[2] سجاد مرزا کے مطابق: ''رسم الخط سے مطلب ایسی علامات سے ہے جو انسان کسی مقررہ طریقے کے بموجب اپنے خیالات اور واقعات کے تحفظ اور ان کے اظہار اور ترسیل کے لئے استعمال کرتا ہے۔''[3] ڈاکٹر فرمان فتح پوری: ''رسم الخط ایسے نقوش و علامات ہیں جنہیں حروف کا نام دیا جاتا ہے اور جن کی مدد سے کسی زبان کی تحریری صورت متعین ہوتی ہے، یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ زبان کی تحریری صورت کا نام رسم الخط ہے۔''[4] ڈاکٹر طارق عزیز: ''رسم الخط کسی طرزِ تحریر کے بنیادی ڈھانچے کا نام ہے جبکہ اس ڈھانچے کو بعض قواعد و ضوابط کا پابند کر کے اسے قابلِ استعمال بنانے کا نام املا ہے۔''[5] ''بشیر محمود اختر کے مطابق: "رسم الخط تحریری علامتوں کا ایک باقاعدہ نظام اور سلسلہ ہوتا ہے۔ اس نظام اور سلسلے میں ہر علامت زبان کی ایک اکائی کا مظہر بنتی ہے اور اس کی نمائندگی کرتی ہے۔''[6]

پروفیسر محمد سلیم: ''آوازوں اور بولیوں کو شکل دینے کے لئے کچھ نشانات اور خطوط مقرر کیے گئے اور انہیں مختلف وضع دے کر رسم الخط کا نام دیا گیا۔''[7] مرزا خلیل احمد بیگ: ''سادہ آوازوں کو تحریری جامہ پہنانے کا نام حرف ہے اور حرفوں کے مجموعے کو حروفِ تہجی کہتے ہیں، اسی طرح کسی زبان میں مستعمل تمام آوازوں کو رائج معیاری صورت میں لکھنے کے طریقے کو رسم الخط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔'' نیز ''کسی زبان کی تکلمی آوازوں کو صوری ترسیمی (تحریری) سانچوں میں منتقل کرنے کا نظام اس زبان کا رسم الخط کہلاتا ہے۔''[8] ڈاکٹر گوپی چند نارنگ: ''رسم الخط صرف آوازوں کے مجموعے کا نام نہیں، یہ وسیع تر لسانی روایت کا جزو بھی ہے۔ رسم الخط بنیادی طور پر آواز کو ظاہر کرتا ہے لیکن بالواسطہ طور پر آوازوں کے ذریعہ لفظوں کو اور لفظوں کے ذریعہ

جملوں اور عبارتوں اور اسی طرح پوری زبان کی ترسیل و تفہیم کا آلہ کار ہے۔"[9] "خط کو روح کی اصل بنیاد اور اس کی جسمانیت کو سارے اعمالِ انسانی میں سرایت کا محرک تصور کیا جاتا رہا ہے۔"[10]
میری رائے میں رسم الخط محض آوازوں یا علامتوں کا مجموعہ نہیں ہوتا بلکہ یہ اپنے اندر تہذیبی، تمدنی، ثقافتی اور معنوی رنگوں کی روایت کا پر تو بھی لیے ہوئے ہوتا ہے اور زبان کی ترسیل و تفہیم کے ساتھ ساتھ ان عناصر کی روح اور شناخت کے انتقال اور حفاظت کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے۔ رسم الخط کی محض سائنٹفک توجیہ تہذیبی، تمدنی، ثقافتی اور معنوی رنگوں کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر رہے گی، روئے ارض پر مختلف تہذیبوں کے رسوم الخط کا تاریخی مطالعہ اور ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے وقیع مطالعات اس بات پر مہرِ تصدیق ثبت کرتے نظر آتے ہیں۔[11]

## املا اور رسم الخط کا فرق

املا اور رسم الخط کے مباحث اکثر ابہام یا خلط مبحث کا شکار رہے ہیں۔ املا کے مباحث کو رسم الخط اور رسم الخط کے مباحث کو املا کے مباحث سمجھ کر ابہام پیدا کیا جاتا رہا ہے، مناسب ہے ان دونوں میں بنیادی فرق کی لکیر واضح کی جائے۔ اس سلسلے میں رشید حسن خاں کی یہ عبارت حدِ فاصل کا درجہ رکھتی ہے: "کس لفظ کو کن حروف سے مرکب ہونا چاہیے، یا لفظ میں ان کی ترتیب کیا ہونا چاہیے؛ یہ مسئلہ رسمِ خط کا نہیں ہے۔ یا یہ کہ کون سے حروفِ تہجی ختم کردیے جائیں، یا کسی خاص آواز کے لئے کسی نئی علامت کا اضافہ کیا جائے یہ بھی املا کے متعلقات ہیں۔ فرض کرلیجیے کہ آپ نے اردو کے حروفِ تہجی میں سے آٹھ حرف نکال دیے یا پانچ نئے حرف، یا چار نئی علامتیں بڑھا دیں؛ مگر اس سے رسمِ خط کی صورت تو نہیں بدلی! لفظوں کو لکھنے میں یا پڑھنے میں کبھی کوئی مشکل پیش آئی تو یہ کہا گیا کہ اردو کے رسمِ خط میں اصلاح کی ضرورت ہے اور اس بنیادی بات کو فراموش کردیا گیا کہ اصلاح، املا میں ہوسکتی ہے، رسمِ خط میں نہیں، وہ یا تو رہے گا، یا نہیں رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسمِ خط میں تغیّر ہوسکتا ہے، اصلاح نہیں ہوتی۔ رسمِ خط میں صورت اور روش کی بنیادی حیثیت ہے، جب اس میں کلیتاً تبدیلی ہوجائے گی، تب یہ کہا جائے گا کہ رسمِ خط بدل گیا۔ اردو کی عبارت اس کے معروف رسمِ خط میں لکھنے کے بجائے، رومن اسکرپٹ میں لکھیے، تو کہا جائے گا کہ اردو ایک دوسرے رسمِ خط میں لکھی گئی ہے۔ ترکی میں رومن اندازِ خط کو اختیار کیا گیا ہے تو اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترکی زبان کا رسمِ خط بدل گیا ہے۔ سندھی زبان، عربی رسمِ خط میں لکھی جاتی رہی ہے، اس کو ناگری لپی میں لکھیے، تو کہا جائے گا کہ سندھی کا رسمِ خط بدل گیا۔ اس کے برخلاف بعض علامتوں یا شکلوں میں کسی طرح کی اصلاح کیجیے! تو وہ اس زبان کے املا میں اصلاح مانی جائے گی، نہ کہ رسمِ خط میں۔"[12]

ڈاکٹر طارق عزیز کے خیال میں: ''رسم الخط کسی طرزِ تحریر کے بنیادی ڈھانچے کا نام ہے جبکہ اس ڈھانچے کو بعض قواعد و ضوابط کا پابند کرکے اسے قابلِ استعمال بنانے کا نام املا ہے۔''[13] گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسم الخط معیاری ''صورت یا روش'' کا نام ہے؛ اگر اپنی صوری روایت سے ہٹ کر لکھا جائے گا تو معیاری ''صورت یا روش'' کی تبدیلی رسم الخط کی تبدیلی سمجھی جائے گی، تاہم اگر معیاری ''صورت اور روش'' کو ملحوظ رکھ کر جوڑ، حروف کی ترتیب و تنظیم میں تبدیلی، کمی بیشی کی جائے گی تو وہ املا کی تبدیلی شمار ہو گی نہ کہ رسم الخط کی۔

**اردو رسم الخط کا تاریخی پس منظر: رسوم الخط کا آغاز وارتقا**

کرّۂ ارض پر انسانی تہذیب و تمدن، ثقافت و آثار کا مطالعہ ماہرینِ آثار قدیمہ اور زبان و لسانیات کا خصوصی موضوع رہا ہے، اس سلسلے میں اگرچہ اختلافات اور مختلف فیہ نظریات کا ہونا فطری امر ہے کیوں کہ تحقیق و دریافت کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے نئے انکشافات کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، تاہم اب تک کی تحقیقات کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ اکثر ماہرین لسانیات و آثارِ قدیمہ میں بہت سارے موضوعات و مباحث پر اتفاق واشتراک کا پہلو بھی نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے، جن میں رسوم الخط اور زبانوں کے موضوعات بھی شامل ہیں۔ تحقیق کے بنیادی مآخذ میں جہاں تاریخ، سائنس و ٹیکنالوجی کا اہم ترین مقام رہا ہے وہاں آسمانی کتب، مذہبی روایات اور آثار و مطالعات کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ ان نتائج میں عقلی و منطقی بھی ہیں، روحانی ومابعد الطبیعاتی بھی، تغیر پذیر بھی ہیں اور دلچسپ وفکر انگیز بھی۔

**مذہبی روایات وآثار**

قرآن کی آیات ''اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ (1:96) عَلَّمَ بِالْقَلَمِ(4:96) ن وَالْقَلَمِ(1:68) نیز احادیثِ مبارکہ و دیگر روایات سے منکشف ہوتا ہے کہ تخلیقِ کائنات سے قبل ہی تحریر کا وجود قائم ہو چکا تھا۔ قلم کو اللہ کی ایجادِ ذاتی تصور کیا جاتا ہے، اللہ کا قلم، فرشتوں کا قلم، اور تمام انسانوں کا قلم[14] خط کے متعلق ایک نظریہ الٰہی الاصل ہونے کا ہے۔ فضل حق کے مطابق حضرت آدمؑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی وفات سے قبل جملہ خطوط وضع کیے، سیمورس نام کے فرشتے نے حضرت آدمؑ کو سریانی خط سکھایا۔ حضرت ابنِ عباس کی روایت کے حوالے سے حضرت ہودؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے متعلق ایجادِ خط کے نظریات بھی سامنے آتے ہیں۔ نیز حضرت ابنِ عباس کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تین اشخاص مرامر بن مرہ، اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ نے شہر ''انبار'' میں اس خط کو وضع کیا اور انہوں نے اسے سریانی علمِ الٰہی پر قیاس کرکے اصلاح کی، تاہم حضرت ہودؑ سے منسوب نظریہ زیادہ قرینِ قیاس یا درست بتایا جاتا ہے۔ حضرت

ہود عادارم کے پیغمبر تھے، ممکن ہے ارامیوں نے فینیقیوں سے حاصل کرکے مخصوص وضع دے کر اپنے پیغمبر سے منسوب کیا ہو۔ پھر اہلِ حیرہ نے انبار سے حاصل کیا۔ حیرہ کوفہ کا پرانا نام ہے جس سے خطِ کوفی مشہور ہوا۔ اقدم الخطوط کی بنیاد کوفہ میں پڑی۔ اسلام کی بعثت اور سیاسی دور کا آغاز ہوا تو یہی خط مکی، مدنی نام سے بھی مشہور ہوا۔ پہلے قرآن خطِ کوفی میں لکھا جاتا رہا، خطِ کوفی قرآن تک محدود رہا،اور دنیاوی ضرورتوں کے لیے دوسری صدی ہجری تک خطِ نسخ رائج رہا۔[15]

## تاریخی روایات وآثار

مذہبی نظریات و روایات، علمی و تاریخی مباحث و تفاسیر سے تحریر و رسم الخط کی قدامت کے متعلق عقلی، مگر فکر انگیز نکات ملتے ہیں، تاہم روئے ارض پر تحریر کے مرّوجہ مگر تغیّر پذیر روایت کی تاریخ چھے ساڑھے چھ ہزار (۶۵۰۰) سال سے بھی پہلے تک بتائی جاتی ہے۔[16] یقیناً جب انسانی ذہن ابلاغ کی خاطر مختلف آوازوں، حروف و علامات کا انتخاب و تعین کر رہا تھا تو اسے خالقِ کائنات کے مرّوجہ آسمانی تحریری و علامتی زبان سے کسی حد تک مدد ضرور ملی ہوگی۔ فضل حق کے مطابق: زمین پر انسان کی تمدنی زندگی کا آغاز پتھر، اینٹ اور لکڑی پر علامات بنانے سے ہوتی ہے۔ مصری اوراق (papyrus) پپی رس پر رنگ سے علامات بناتے، ان کی شکلوں میں دائرے نمودار ہوتے۔ اس کے بعد اس کی جگہ چمڑے نے لے لی، نرسل نے نوکیلے آوزار کی جگہ لی، باریک جھلیوں (Parchment) موم اندوہ الواح (Wan tablet)، حرف ریزوں، لکڑی، پتھروں پر لکھائی تدریجی ارتقا کی نشاندہی کرتے نظر آتے ہیں۔[17] نیز ان کے مطابق: قلم دنیا کا ایسا مجموعۂ تکون ہے جس کے احترام کے پیشِ نظر خلّاقِ کائنات نے بھی اس کی قسم کھائی ہے۔حضرت عبداللہ ابنِ عباس نے اس کو ہاتھ کی زبان کہا ہے۔کھدائی (Excavation) کی صورت میں عہدِ عتیق کی مختلف تحریروں کی دریافت سے "خط شناسی" (paleography) کے علم کا آغاز ہوا۔ اظہار مافی الضمیر کے لئے نقوش واشکال کا وسیلہ استعمال کیا جاتا، جنہیں پتھّر کی تختیوں پر تیشہ کی مدد سے نقش کرکے مطلوبہ مخاطبوں کو بھیجا جاتا تھا۔ جہاں تک تاریخ کے حافظے کا تعلق ہے اس قسم کی تصویر نگاری کا آغاز مصر قدیم میں ہوا اور یہی تصویر نگاری متمدّن دنیا کے جملہ تحریری وکتابی نظاموں کا جرثومہ ثابت ہوا۔[18] نیز خارجی تصویر کو بعینہٖ پتھر پر نقش کیا جاتا جیسے؛ تین آدمی تو تین تصاویر، جس کی خارجی تصویر نہ ہوتی جیسے جذبات و کیفیات اور احساسات، تو اسے علامات و رموز (symbols)؛ جیسے دشمن کے لئے سانپ کی شکل بنا دیتے۔ اس کو تمثال نگاری کے نام سے موسوم کیا گیا جسے آگے چل کر مذہبی خط "خطِ ہیرو غلیفی" کا نام دیا گیا۔ فضل حق مدعی ہے کہ: عراق میں کچی اینٹوں پر نوک دار کیل سے تحریر کیا کرتے، (جو خطِ میخی کہلایا) پھر اس کو بھٹی میں پکا کر

محفوظ کرتے۔ عراق اور ہمسایہ ممالک میں بڑی تعداد میں خشتی کتب خانے کھدائی کے دوران برآمد ہوئے۔ مصری بردی گھاس سینٹھے (papyrus) کے گودے سے ایک قسم کا کاغذ بناتے اور اس پر قلم سے لکھتے، تاہم دونوں ممالک میں رسم الخط تمثیلی اور علامتی صورت سے آگے نہ بڑھ سکے تھے۔ خطِ مسماری میں چھ سو (۶۰۰) اور خطِ ہیروغلیفی میں سات سو (۷۰۰) نقوش تھے، جس کا سیکھنا، سکھانا اور یاد رکھنا بڑا دشوار کام رہا۔[19]

## حروفِ تہجی کا آغاز و ارتقا

فضل حق کا کہنا ہے کہ فینیقیوں نے مصریوں سے تمثال نگاری اخذ کی، انہوں نے صورِ ذاتی کے بجائے صور مقطعی کو ایجاد کیا۔ مثلاً مصری گایوں کو مصری میں "آوا" کہتے تھے، وہ گایوں کا پتھر پر نقش کرتے۔ فینیقیوں نے اس تصویر کا پہلا حرف "الف" کے لئے استعمال کیا۔ مکان جسے مصری 'بیت' کہتے اور چوکور خانہ بناتے، اس کی پہلی آواز "ب" کو اس علامت سے تعبیر کیا۔ اس طرح الف، بائے مصری اور فینیقی صورِ ذاتی سے صورِ مقطعی میں تبدیل ہوا۔ گائے سے الف، مکان سے "ب" اور اونٹ سے "ج" کی آواز لی۔ اور اس طرح ایک مستقل: الف، ب کی تشکیل ہوئی جس سے ہر حرف ایک آواز کی علامت ہوتا تھا۔[20] آرامی نسل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے حلق سے نکلنے والی آوازوں کے لئے نقوش متعین کیے۔ دنیا کا یہ پہلا باضابط رسم الخط تھا جو کل ۲۲ نقوش (ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت) پر مشتمل تھا۔ یہ خط مصر اور بابل میں بھی مشہور ہوا، اس طرح وہاں کے سابقہ رسم الخط متروک ہوگئے۔ پروفیسر محمد سلیم لکھتے ہیں کہ عبرانیوں نے اپنی کتاب "تورات" اور ایرانیوں نے اپنی کتاب "ژند" بھی اس رسم الخط میں لکھی تھی۔[21] ان کے مطابق: اہلِ سبا کی زبان حمیری اور خط مسند کہلاتا تھا، ان کو اپنی زبان آرامی خط میں لکھنے کے لئے اس کے حروف میں توسیع کی ضرورت پیش آئی۔ انہوں نے آرامی حروف میں مزید چھے حروف کا اضافہ کیا، وہ حروف "ث، خ، ذ، (ثخذ) "ض، ظ، غ" (ضظغ) ہیں، جن کو عربی زبان میں "روادف" کہا جاتا ہے۔ اہلِ سبا نے یہ حروف بعض آرامی حروف کے ہم شکل بنائے۔ ابتدا میں وہ حروف کو جدا جدا لکھتے تھے۔ ہم شکل حروف کا اضافہ کرنا درحقیقت ایک انقلابی قدم تھا۔ اس طرح نئے حروف وضع کرنے کا ایک قاعدہ بنا لیا گیا، جس پر دوسری اقوام نے بھی عمل کیا۔ بعد میں وضع و توسیعِ حروف کی اس روایت سے دیگر زبانوں نے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا۔ دوسرا انقلابی قدم نبطیوں کا تھا، حروفِ تہجی میں ہمزہ (ء)، (ال) کا اضافہ اور (س اور ش) کو ہم شکل بنانا ان کا کارنامہ ہے، علاوہ ازیں انہوں نے مفرد حروف کو مرکب صورت میں لکھنے کا آغاز بھی کیا۔[22]

احمد حسن کے مطابق: اس سے پہلے جدا جدا حروف لکھنے کی روایت چلی آرہی تھی۔حروفِ تہجی کو عربوں کی "سماتِ ابل" کی ترقی یافتہ شکلیں بھی کہا جاتا ہے۔ عرب اونٹوں، اعضا اور املاک پر نشان بناتے تھے۔ سمات بے معنی نقش و نگار نہیں تھے بلکہ ہر نقش اپنے اندر ایک مفہوم رکھتا تھا، جس طرح آج ہم حروف کو ایک خاص ترتیب دے کر ایک لفظ لکھتے ہیں، یوں ہی عرب بھی کسی زمانے میں آڑے ترچھے خطوط کھینچ کر اپنے خیالات کی نقش آرائی کرتے تھے۔ (ا،ب)انہی نقوش کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔[23]ڈاکٹر فضل حق کا کہنا ہے کہ الف صوری سے الف ہائے مقطعی میں تبدیلی مصری خط وکتابت کی معنوی تسہیل تھی، اس کے بعد دو مزید مشکلات یعنی "نقل و حمل" کو آسان بنانے کے لئے پہلی دقت کو پتھر پر گڑھنے کے بجائے" قلم" سے مختلف رنگوں کے نقوش بنانے، لکھنے کے ذریعے دور کیا گیا جبکہ دوسری دقت کو مخصوص درخت کے ریشوں پیپی رس (Papyrus) سے لگدی تیار کرکے کاغذ تیار کیا گیا اور اسی لفظ سے انگریزی لفظ (Paper) بنا۔ اس طرح خط مقطعی دور سے ہجائی دور میں داخل ہوا، یہ مقدس ٹھہرا اس لیے اس کو (Heiroglaphic) ہیروغلافک "حروفِ مقدسہ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ابتدا میں یہ اعلیٰ طبقے کے پروہتوں کے زیرِ استعمال رہا، مگر اجتماعی ضرورتیں اقدس و تقدیس کا احترام نہیں کرتیں، اس لیے اس سے دو نئے خطوط استخراج ہوئے۔ ہیراطبقی (اس میں عموماً مذہبی کتابیں لکھی جاتی تھیں، عام لوگ استعمال نہ کرسکتے) دوسرا دیموطبقی (Demotic) عام لوگوں کے لئے، برائے تجارتی، لین دین، اس کے اندر سے ہیرو غلیفی کے سے زوائد کو دور کیا گیا، اصل ہیرو غلیفی صرف عمارتوں، کتبوں وغیرہ تک محدود رہا۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ فینیقیوں سے یونانیوں اور یونانیوں سے اہلِ اطالیہ نے اور ان سے دیگر یورپی اقوام نے خط سیکھا۔[24]

## عربی رسم الخط کا آغاز و ارتقا؛تا اردو رسم الخط

دنیا کا کوئی بھی رسم الخط مکمل ترین شکل میں وجود میں نہیں آتا۔ یہ ارتقا کی مختلف منازل طے کرکے ترقی یافتہ صورت میں ہر دور اور زمانے کے سامنے آکر اپنا تشخص منواتا ہے اور یوں ہر دور کی ضروریات کے سانچوں میں ڈھل کر بتدریج ترقی کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ڈاکٹر فضل حق کے مطابق: فینیقیوں سے سب سے زیادہ مستفید ہونے والے سامی ہیں۔ ارامی اور فینیقی خطوط دونوں مشابہ تھے، اس میں بتدریج اصلاح ہوتی رہی اور یوں مصر سے وسط ایران تک پھیل گیا۔ ارامیوں کی دو شاخیں؛ شمالی اور جنوبی تھیں، شمالی زیادہ متمدن تھی، وہاں خطِ تدمیری کی شکل پروان چڑھی، جنوبی میں جو عربوں کے اسلاف پر مبنی تھی، وہ بدوی تھی، ان کے ہاں خطِ نبطی کو عروج حاصل ہوا۔بعد میں خطِ تدمیری سے سریانی مستخرج ہوا۔ خطِ سریانی کی تین قسمیں

(۱)اسطر نجیلی، (عربی خط مصاحف کی نظیر) (۲)محفف (اسکولیشیا کہلاتا تھا، عربی کے خط وراقین کی نظیر تھا) (۳) عوامی خط (یہ عربی خط رقاع کی نظیر تھا)خطِ سیریانی اور نبطی کے امتزاج سے عربی خطوط مستخرج ہوئے۔ عرب کے مشرق میں جہاں خطِ سریانی کا رواج تھا، اس خط سے خطِ کوفی پیدا ہوا۔ مغربی عرب میں جہاں قدیم زمانے میں خطِ نبطی مستعمل تھا، موخّر الذکر سے خطِ کوفی کے مراجعت کے بعد خطِ نسخ پیدا ہوا۔ خطِ کوفی دوسری صدی ہجری تک مستعمل رہا، مگر صعوبتِ تحریر کی وجہ سے خطِ نسخ کے لئے جگہ خالی کر گیا۔[25]

مصر، عراق، سندھ اور مشرقی چین متاخّر حجری عہد کے بڑے مراکز رہے ہیں، آثارِ قدیمہ کے مطالعات سے ان ابتدائی تہذیبی مرکزوں کے گہرے باہمی تعلق کا اندازہ ہوتا ہے، اس دور کی مصنوعات، رسموں، عقیدوں اور رسمِ خط کی مشترک خصوصیات کی بناپر کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں بھی کوئی تہذیب خالص قومی یا مقامی نہیں تھی اور سیکھنے، سکھانے کا وہ سلسلہ جو انسانی تہذیب کی جان ہے، اس وقت شروع ہو چکا تھا۔ عربی رسم الخط آرامی رسم الخط سے ماخوذ ہے، آرامی اپنی نوبت میں فینیقی رسم الخط اور فینیقی رسم الخط مصری رسم الخط سے اخذ کیا گیا تھا، اس بات پر بھی ماہرین میں اتفاق پایا جاتا ہے کہ یورپی ممالک میں جتنے رسم الخط مرّوج ہیں یا آج سے پہلے مرّوج رہے ہیں، ان سب کا مآخذ فینیقی رسم الخط ہے۔ایک رائے یہ بھی ہے کہ آشوری یا اکادی رسم الخط جو عہدِ قدیم میں ہیروغلافک یا مقدس رسم الخط کہلاتا تھا، زیادہ قدیم ہے، تاہم یہ بات قطعی نہیں ہے۔غرض قدیم ترین رسم الخط جو عربی، فارسی اور اردو کا مبداءِ اوّلیں کہلاتا ہے، مصری رسم الخط ہے جو "خطِ تمثالی" کہلاتا ہے یعنی (Pictography) یا "تمثال نویسی۔"[26]

پروفیسر سجاد مرزا کے مطابق اسلام سے قبل مختلف رسم الخط جاری تھے اور عربی زبان مختلف خطوں میں لکھی جاتی تھی، یمن میں تین قبیلے (حمیر، معین، اور سبا) ان میں سندی یا خطِ حمیری رائج تھا۔ جس کا ہر حرف جدا جدا لکھا جاتا تھا۔ انباط میں نبطی خط، عراق اور شام میں عراقی خط اور عراقِ عرب میں سریانی خط رائج تھا۔ کوفہ جس کا پرانا نام حیرہ تھا اور خطوں کے علاوہ یہاں خطِ ستر نجیلی بھی رائج تھا جو سریانی کی ایک قسم ہے، سیریانی خطِ ستر نجیلی میں مذہبی کتابیں لکھتے تھے، جبکہ خطِ نبطی میں عام مراسلت، کوفیوں نے خطِ ستر نجیلی میں نیا خط ایجاد کیا، جو کوفہ میں عام ہوا، رفتہ رفتہ یہ خط جزیرۃ العرب میں کوفی خط کے نام سے مشہور ہوا۔(۵۰ھ) میں ابوالاسود مکی نے نقطے ایجاد کیے مگر یہ نقطے اعراب کے لئے استعمال ہوتے۔ زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ، زبر کے لئے اوپر، پیش کے لئے بازو یا کنارے پر اور تنوین کے دو نقطے لگائے جاتے۔اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہم شکل حروف (ج، ح، خ، ب، ت، ث) میں مشکلات اور روز مرّہ تحریرات میں اختلاف پیدا ہونے لگا۔ خلیفہ مروان نے اس

کیفیت کی بنیاد پر (۶۵ھ) میں حجاج بن یوسف (گورنر عراق) کو رسم الخط کی اصلاح کا حکم دیا۔ نصر بن عاصم نے حجاج کی مرضی کے مطابق حرفوں میں فرق کرنے کے لئے نقطے وضع کیے اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ منقوط حروف پر سیاہ نقطے دیے جائیں اور اعراب کے لئے قرمزی رنگ کے نقطے استعمال کیے جائیں۔ اس طرح حروفِ منقوطہ میں امتیاز ہوا۔ نقطوں کے ذریعے اعراب لگانے کا طریقہ تقریباً تیس تا چالیس (۳۰ تا ۴۰) سال برقرار رہا۔ پھر دوسری صدی ہجری میں عبدالرحمان خلیل بن عروضی نے اعراب کی شکلیں وضع کیں۔ جس کے بعد اعراب کے لئے قرمزی رنگ کے نقطوں کا استعمال ترک کر دیا گیا۔ تقریباً تین سو (۳۰۰) سال تک خطِ کوفی رائج رہا۔ اس خط میں کئی ترمیمیں ہوئیں تاہم ساری کی ساری ترمیمیں انقلابی نہ تھیں بلکہ اس خط کے گرد گھومتی رہیں۔[27]

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعد میں یہ طریقہ فارسی اور اردو میں نئے حروف کی تشکیل کے لئے بھی رہنما اصول کے طور پر کام آیا۔ عبدالملک بن مروان (۸۶ھ/۷۰۵ء) نے بنو امیّہ کے دور میں عربی کو ساری مملکت کی زبان بنایا اور فارسی، سریانی اور قبطی علاقائی زبانوں کا استعمال ترک کر دیا۔ اس کا نتیجہ خوش نویسی کی ایک توانا روایت کے آغاز کی صورت میں نکلا۔ محمد سلیم کے مطابق عبدالملک بن مروان کے کاتب قطبہ بن شیبہ نے (۱۰۰ھ/۷۱۸ء) نے سب سے پہلے خط کی تحسین پر توجہ دے کر حروف کی پیائش کے لئے نوکِ قلم (قط) کا پیمانہ مقرر کیا۔ عہد بنی عباس میں نادرۂ روزگار خطاط ابنِ مقلہ نے خط کوفی سے چھ مستقل خط (ثلث، محقق، ریحان، توقیع، رقاع، اور نسخ) ایجاد کیے۔ خطِ نسخ جس میں قرآن مجید بھی لکھا جاتا رہا ہے، اتنا سادہ اور خوبصورت تھا کہ ہر جگہ مقبول اور ہر دلعزیز ٹھہرا اور بقیہ تمام خطوط پر خطِ تنسیخ کھینچ گیا۔[28] ایران میں عربوں کی آمد سے قبل قدیم مسماری خط کی اگلی شاخ یعنی خطِ پہلوی اور اس کی ذیلی شاخیں (دین دفتریہ، دیش دبیریہ، الکستج، شاہ دبیریہ، نامہ دبیریہ، راز سہریہ اور راس سہریہ وغیرہ) رائج تھیں۔

سجاد مرزا کے بقول جب اسلامی فتوحات کا دائرہ ایران تک پہنچا اور یہاں عربی علوم و دانش کی کارفرمائیاں شروع ہوئیں تو ایرانیوں نے اپنی زبان کا قدیم پہلوی خط ترک کر کے عربی رسم الخط اختیار کیا۔ حسین بن علی نے فارسی خط کی بنیاد ڈالی، خطِ نسخ فارسی ضروریات کے لئے نہایت موزوں ثابت ہوا، انہوں نے فارسی کی ضروریات کو مدّ نظر رکھ کر خطِ رقاع اور توقیع سے ایک نیا خط "تعلیق" کے نام سے وضع کیا۔ عربی میں (پ، چ، ژ، گ) نہ تھے، خواجہ ابوالمعالی نے ان حرفوں کے لئے تین تین نقطے وضع کیے اور خطِ کوفی اور پہلوی سے چند نئی کششوں کا اضافہ کر کے تعلیق کو اس قدر خوب صورت بنایا کہ لوگ انہیں کو خطِ تعلیق کا موجد سمجھنے لگے۔[29]

گویا حروف وضع کرنے کی قدیم روایت سے اہلِ فارس نے بھی اپنی ضرورت کے مطابق اخذ و استفادہ کیا۔علوم وفنون کا انتقال عرب سے عجم کی طرف ہونے لگا تو نئی تہذیبوں کا ملاپ ہو رہا تھا، جدت اور تغیر حالات کا تقاضا ٹھہرے۔ عربی خط کی سادگی ہر لفظ میں شروع سے آخر تک ایک قلم، حرفوں میں تیغوں کے پیچ و خم اور کششوں میں موجوں کی لہریں جو عربی کے لئے مخصوص تھیں فارسی زبان کے لئے غیر موزوں اور بے محل خیال کی گئیں۔ چنانچہ آٹھویں صدی ہجری کے ابتدائی دور میں میر علی تبریزی نے خطِ نسخ اور تعلیق سے ایک نیا خط وضع کیا جو ''نستعلیق'' کے نام سے مشہور ہوا،اس خط کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر محمد سجاد مرزا لکھتے ہیں:

''نستعلیق کی کششوں اور دائروں میں جان اور تناسب دونوں موجود ہیں جو خوب صورتی اور حسن کے لئے لازمی ہیں۔ اب رسمِ خط خطاطی کی حدود سے نکل کر نقاشی کی قلمرو میں داخل ہوگیا، حرفوں کی نوک پلک میں نزاکت پیدا ہونے لگی، ایک ایک حرف میں نقاشی کی خوبی، مصوری کی نزاکت اور وہ وہ حسن و انداز پیدا کیا گیا کہ ہر لفظ بجائے خود ایک تصویر ہوگیا اور سطریں تصویروں کی ہمسری کرنے لگیں۔''[30]

عربی رسم الخط کو اسلام کی ترویج و اشاعت نے بامِ عروج پر پہنچایا۔ قرآن چونکہ بہت سارے مسلمان پڑھتے تھے، عربی رسم الخط سے ان کی واقفیت ہو چکی تھی، لہٰذا اپنی اپنی زبان کے رسم الخط سے ناواقفیت کے باوجود قرآنی املا نے نوشت و خواند کے دروازے ان پر کھول دیے، وقت کے ساتھ ساتھ عربی رسم الخط تمام اسلامی ممالک میں رواج پا گیا۔ رفتہ رفتہ عربی رسم الخط غلبہ حاصل کرتا رہا اور مقامی رسوم الخط تبدیل ہوتے گئے۔ مسلمانوں کے عروج و زوال کے ساتھ عربی رسم الخط کا عروج و زوال بھی رہا، ایشیا، یورپ اور افریقہ کے بیشتر ممالک میں عربی رسم الخط رواج پاتا رہا، اس سلسلے میں پروفیسر محمد سلیم لکھتے ہیں: ''عربی خط امتِ اسلامیہ کا امتیازی خط ہے، یہ خط عالمِ اسلام کی وحدت کا ضامن ہے، یہ مسلمانوں کو مربوط کرنے والا رابطہ ہے، یہ بات مغربی استعمار کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتی ہے، اس کے مذموم مقاصد کی راہ میں یہ سنگِ گراں ہے، جہاں جہاں اس کا بس چلا اس نے عربی خط کو ختم کرنے میں دریغ نہیں کیا، سب سے پہلے انگریز کی استعمار پسند نگاہوں نے اس حقیقت کا ادراک کیا اور پھر اس خط کو نابود کرنے کی کوشش کی۔''[31]

اٹھارھویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے آغاز پر انگریزوں نے ہندوستان میں اردو، فارسی کو رومن رسم الخط میں لکھنے کی تجویز پیش کی، جس کو یہاں کے عوام نے قبول نہ کیا، تاہم جہاں جہاں اس نے حکمرانی قائم کی، عربی رسم الخط کو ختم کیا، اس سلسلے میں درج ذیل ممالک کی مثال دی جاسکتی ہے۔انڈونیشیا کے جزیرے ملاگاسی کے دارالحکومت امبائنے، ملایا، مدغاسکر، کانگو (یوگنڈا) جو پہلی جنگِ عظیم سے پہلے جرمنی کے قبضے میں تھا،

سواحلی زبان کا عربی خط میں لکھنا ممنوع قرار دیا۔ نائیجیر اور نائیجیریا میں ہوسا زبان کا عربی رسم الخط ترک کرادیا۔ فرانسیسیوں نے صحارا کے ممالک میں بربر زبان کا عربی رسم الخط میں لکھنا قانوناً بند کرا دیا۔ ۱۹۲۴ء، میں روس نے ترکی اور تاتاری زبانوں کو عربی خط میں لکھنا بند کرا دیا، انگریزوں کے منفی پروپیگنڈے کا شکار ہو کر بعض مسلمان ممالک بھی اسی روش پر چل نکلے اور کمال اتاترک نے ترکی میں عربی رسم الخط میں لکھنا جرم قرار دے کر اس کی جگہ رومن رسم الخط جاری کیا۔ البانیہ کے اشتراکی سربراہِ حکومت انورہُدی نے البانوی ترکی رسم الخط کو تبدیل کروادیا۔ انڈونیشیا کی آزادی کے بعد عبدالرحیم سوئیکارنو نے بھاشا انڈونیشی کا عربی رسم الخط ترک کرکے لاطینی رسم الخط جاری کیا۔[32] بلاشبہ رسوم الخط کی تبدیلیوں نے ان ممالک کی تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی زندگیوں پر دوررس اثرات مرتب کیے ہیں۔

## ہندوستان میں رسوم الخط کا آغاز وارتقا؛ تاناگری رسم الخط

ہندوستانیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ روئی کا کاغذ بنا کر اس پر لکھتے، تاہم اس کا تعلق ترقی یافتہ دور سے معلوم ہوتا ہے۔ موریہ عہد میں ملک کے بعض حصوں میں درختوں کی چھال، بعض میں کپڑے اور بعض میں کھجور کے پتّوں پر لکھنے کے آثار ملے ہیں۔[33] اگرچہ موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے کھنڈرات سے برآمد ہونے والی مہروں کا عصری اندازہ مختلف فیہ ہے تاہم ہندی مہروں جیسے رسم الخط کی مہریں قدیم سومر کے کئی مقامات پر دستیاب ہوئی تھیں، ان مقامات میں فرات کی بعض سرحدی جگہیں بھی تھیں اور سوس بھی، جو عراق کی قدیم تہذیب وتمدن کا ایک بڑا مرکز ہے، اس کے متعلق رشید اختر ندوی، لینگ ڈون (ماہرِ آثارِ قدیمہ) کی رائے نقل کرتے ہیں: ''البتہ ایک بات میں ختماً کہہ سکتا ہوں وہ صرف یہ کہ عراق کے سومیری، اس رسم الخط کا علم ضرور رکھتے تھے جو ان مہروں پر کندہ تھا، جنہیں ہندوستانی تاجر اپنے ساتھ لے کر سومر پہنچے تھے۔ ان مہروں پر جو تصویریں بنی تھیں، یہ ویسی ہی تھیں جو عراقی سومیریوں کی مہروں پر کندہ تھیں۔ یہ امر بھی یقینی ہے کہ ان ہندی مہروں کا رسم الخط بھی وہی ہے، جو قدیم سومیر کا رسم الخط تھا۔ اس لیے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ قدیم سومیری رسم الخط وادیِ سندھ میں قبل از تاریخ عہد میں رائج تھا۔۔۔ یہ سارے رسم الخط صوری بھی ہیں اور صوتی بھی، اور ان میں حد درجہ ایک دوسرے سے تشابہ موجود ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ہر ملک کے رسم الخط میں وہاں کے جغرافیائی اثرات اور مقامی حیوانات کی تصاویر سے کام لیا گیا ہے۔ ان کا خیال ہے ہڑپہ اور موہنجوڈرو کا رسم الخط سومیری ہے۔ سومیری پتھر کے زمانے کی قوم ہے اور ان کی عبادت گاہوں میں سامی بھی عبادت کرتے تھے۔ فنیقیوں نے ہندوستانیوں اور یونانیوں کو رسم الخط کا تحفہ دیا، اگرچہ اس کے بعد ہندوستانیوں نے اس رسم الخط

میں اپنی ضروریات اور جغرافیائی حالات کی وجہ سے کافی تبدیلیاں کیں۔۔۔ ساتھ ہی محمد مجیب نے ایک محقق (H.R.HALL) رائے نقل کی ہے جس سے اس کی تائید ہو سکتی ہے: "سومیریا کے قدیم باشندے دراوڑوں سے مشابہ تھے، میں ان کو اور کریٹ کے قدیم باشندوں کو ایک ہی نسل سمجھتا ہوں۔"[34]

سومیریا اور بابل میں سندھ کی مہروں کا گہرائی میں مل جانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سندھ اور سومیریا کا تعلق بہت پرانا ہے۔ سندھی اور ابتدائی سومیری رسم خط دونوں مصر کے قدیم ترین رسمِ خط سے بھی مشابہت رکھتے ہیں اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تینوں کی اصل ایک ہی ہے۔[35] رشید اختر ندوی نے سر رابرٹ کے الفاظ نقل کیے ہیں کہ ہندوستانی رسم الخط مغربی ایشیا کے فنیقی رسم الخط کی بلاواسطہ یا بالواسطہ اولاد ہے۔ نیز ان کا یہ بھی خیال ہے کہ انگریزی، افریقی، چینی زبان نے اپنی ضروریات کے مطابق جو فنی تشبیہیں اور اشارات ایجاد کیے ان کی بنیاد فنیقی رسم الخط ہے۔

"That all the alphaets came from the same source and that all indian alphabets came from the phonecian or from egyption.[36] "

گویا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ آریہ جب رگ وید کے دور میں ڈراوڈی سومیری اور اسیری لوگوں سے مخلوط ہوئے اور انہوں نے ان سے لسانی تاثر قبول کیا تو اسے صحیح شکل سب سے پہلے ٹیکسلا کے نحوی، صرفی پانینی نے دی تھی۔ پھر اس کا اتباع پتن جلی اور پھر دوسرے علمائے زبان نے کیا تھا۔[37] ان کا خیال ہے کہ ہندوستان کی قدیم ترین زبان ڈراویڈی تھی، یہ لوگ تورانی الاصل تھے، اور ان کا گھر وسطی ایشیا تھا۔ مصنفِ مذکورہ کے مطابق ڈراویڈی اور سومیری ایک ہی نسل کے لوگ ہیں۔ عراق میں رہے تو سومیری کہلائے، سیستان میں رہے تو تورانی یا سیتھی رہے اور ہندوستان میں داخل ہوئے تو ڈراویڈین کا نام دیا گیا۔ اس لیے جب وہ بلوچستان کے درّۂ بولان کے ذریعہ ارضِ پاک میں داخل ہوئے تو تورانی زبان بولتے تھے اور یہ زبان سیتھی، ترکی، منگولی اور فنیقی زبانوں کے الفاظ اپنے اندر شامل کر چکی تھی۔ ڈراویڈی زبان کے اثرات ویدوں کے کلاسیک، سنسکرت اور پراکرت بولیوں میں موجود پائے گئے ہیں۔[38] رشید اختر ندوی کے مطابق ہندوستان کی قدیم ترین زبان ڈراویڈی تھی، دوسری زبان وہ پراکرت تھی جو آریہ حملہ آور اور مفتوح قوم کی عورتوں اور بچوں کے پندرہ سو سالہ میل جول کے دوران پیدا ہوئی، جس میں سے ٹیکسلا کے ایک عالم پانینی نے تحریری زبان "سم کرت" (پاک صاف بولی) وضع کی۔[39] تاہم محمد مجیب کا خیال ہے کہ ہندوستان کا سب سے قدیم عنصر منڈا اور مون حمیر زبان بولنے والے وحشی قبیلے تھے۔ اس کے بعد دراوڑ زبانیں پھیلیں، یعنی دراوڑ نسل کے لوگ ہندوستان میں آباد

ہوئے۔ اس وقت جب کہ آریہ نسل کے قبیلے شمال مغربی ہندوستان میں آکر آباد ہونے لگے، یہاں کی زبان دراوڑی اور آبادی کا زیادہ بڑا اور ممتاز حصہ دراوڑ تھا۔[40] البتہ سنسکرت کے متعلق ان کا خیال ہے کہ اس کے دندانی حروف (ٹ، ٹھ، وغیرہ)؛ اور کسی ہند جرمانی زبان میں نہیں ملتے۔ دراوڑی زبانوں میں البتہ پائے جاتے ہیں اور یہ سنسکرت میں دراوڑی اثر کی بدولت شامل کیے گئے ہوں گے۔

محمد مجیب کے مطابق سنسکرت کے بہت سارے الفاظ کا مادہ آریائی معلوم نہیں ہوتا، ان کا ماخذ بھی درواڑی زبانیں ہوں گی۔ زرتشتی مذہب کی مقدس کتاب ژند اوستا اور رگ وید کی زبان میں اتنا کم فرق ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ آریوں کے ہندوستان آنے اور رگ وید کے مرتب ہونے کے درمیان بہت لمبا عرصہ نہ گزرا ہوگا۔[41] آریا جب تک اپنے وطن میں تھے تب تک وہ یہی زبانیں (ہند یورپی یا ہند جرمانی) بولتے ہوں گے، جب ان کے قبیلے وطن چھوڑ کر ادھر ادھر گئے تو ان کی زبان بھی اسی طرح بدلتی رہی۔ رگ وید کے بھجن جس زبان میں ہیں وہ ویدی کہلاتی ہے اور اس نے بعد کو ترقی کرکے سنسکرت کی شکل اختیار کی۔[42] آریوں میں مذہبی اور فلسفیانہ ذوق بہت تھا، وہ ہندوستان آئے تو اپنے دیوتاؤں کی شان میں بھجن گاتے ہوئے آئے، جو ان کے مذہبی پیشواؤں نے تصنیف کیے تھے۔ بعض مذہبی پیشواؤں کو بہت سارے بھجن یاد تھے، اور بہت سارے بھول گئے تھے، شمال مغربی ہندوستان میں آباد ہونے کے بعد ان لوگوں نے تمام بھجن یکجا کرلیے اور اس مجموعے کا نام "رگ وید سمبتھا" رکھا۔ رگ وید ہند جرمانی تہذیب کی سب سے پرانی یادگار ہے اور اس کی ادبی خوبیوں کو دیکھیے تو ایک کرشمے سے کم نہیں۔[43]

شمال مغربی علاقے کے علاوہ جو رسم الخط باقی تمام ہندوستان میں رائج رہا وہ برہمی رسم الخط تھا، برہمی کا حریف یا حلیف رسم الخط خروشتی تھا۔ خروشتی رسم الخط، آرامی رسم الخط سے مشتق بتایا جاتا رہاہے، جو دائیں سے بائیں طرف کو لکھا جاتا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق تین سو سال قبل مسیح سے تین سو عیسوی تک یہ ہندوستان کا مرّوجہ رسم الخط رہا، جب کہ پورے وسطی ایشیا کا بھی رسم الخط رہا۔ خروشتی رسم الخط دراصل پہلوی رسم الخط ہے، اور اسے گندھارا وادی میں متعارف کرنے کا سہرا ایرانی تاجدار دارا اول کے سر ہے، یہاں تک کہ سکندر مقدونی کے دور میں بھی مروّج رہا۔ رشید اختر کے مطابق خروشتی رسم الخط آرامی الاصل تھا، جو برہمی کا حلیف تھا۔ مسٹر ہاشم کے مطابق یہ پوری گندھارا تہذیب میں رائج تھا، حتّی کہ پورے وسطی ایشیا کا رسم الخط تھا، کوہِ ہندوکش سے لے کر ترکستان تک خروشتی رسم الخط ایرانی یا پہلوی رسم الخط تھا، جسے گندھارا میں متعارف کرانے کا سہرا دارا اول کا تھا۔ سکندر مقدونی کی صورت میں یونانیوں کے دور میں بھی اس کی حکمرانی رہی، یہاں تک کہ خروشتی اور یونانی کو

سکے کے دو رخ پر لکھا جاتا تھا۔ شمال مغربی علاقے کا رسم الخط خروشتی تھا، شمال مغرب کے علاوہ باقی تمام ہندوستان میں پھر اشوکی دور میں براہمی رسم الخط مرّوج رہا۔[44]

اشوک کے دور میں برہمنوں نے اس برہمی رسم الخط کو خصوصیت دی اور یوں امتدادِ زمانہ کے ساتھ یہی رسم الخط سنسکرت سے دیوناگری تک پہنچا۔ برہمی رسم الخط امتدادِ زمانہ کے ساتھ بدلتا رہا اور ناگری تک پہنچا۔ برہمی کے رواج کے حوالے سے رشید اختر ندوی کا خیال ہے کہ یونانیوں نے یہ خط فینیقیوں سے حاصل کیا اور اپنی زبان کو اس خط میں لکھا، اس خط کی سرپرستی ایران کے ہخامنشی بادشاہوں نے کی اور اس کو حکومت کا سرکاری خط قرار دیا، اور اس طرح وسیع سلطنت نیل سے لے کر دریائے سندھ تک پھیلا دیا اور اس خط کو ہندوستان اور پاکستان میں متعارف کروادیا۔ خروشتی اور برہمی خط کے توسط سے ہندوستان کا موجودہ دیوناگری رسم الخط بھی آرامی خط سے ماخوذ ہے۔ اس سلسلے میں رشید اختر ندوی لکھتے ہیں: ''اس زبان کو چندر گپت اور اشوک کے عہد میں گو دو رسم الخطوں میں لکھا جانے لگا تھا، ایک خروشتی میں جو آرامی کی نسل سے ہے اور دوسرا برہمی میں جو قدیم ڈراویڈی کی اولاد سے ہے اس کے باوجود اسے تاریخ میں اگر کوئی نام ملا تو وہ غزنوی عہد میں، یہ نام ''ہندی'' تھا۔''[45]

موہنجو دڑو اور ہڑپا کی تحریروں کے بعد رسمِ خط کے جو نمونے ملتے ہیں، اس کا تعلق اشوکی دور سے ہے۔ اشوک کے کتبات یا کھروشٹی (خروشتی) رسمِ خط میں ہیں، جو مشرقی افغانستان اور پنجاب میں رائج تھا، یا براہمی رسمِ خط۔ کھروشٹی (خروشتی) ایک قدیم آرامی رسمِ خط سے اخذ کیا گیا ہے، یہ دائیں سے بائیں طرف لکھا جاتا تھا۔ محمد مجیب نے پروفیسر لنگڈن کے حوالے سے لکھا کہ براہمی موہنجو دڑو کے رسمِ خط سے اخذ کیا گیا تھا، اور آریوں نے اس رسمِ خط کی علامتوں کو اپنی زبان کی اصوات اور حروف میں تبدیل کر لیا۔ براہمی ابجد کے حروف کی شکلیں متعین کی گئی ہیں۔ اور ان سے دائیں سے بائیں کی بجائے بائیں سے دائیں طرف لکھنے کا قاعدہ بنا۔ (۵۰۰) قبل مسیح تک براہمی ابجد مکمل ہو گئی تھی، قواعد صرف و نحو کے مشہور عالم پانینی نے، جس کا زمانہ چوتھی صدی قبل مسیح تھا، اس کو صحیح مانا ہے، اس زمانے میں یا اس کے بعد براہمی رسمِ خط کی دو شاخیں ہو گئیں، ایک شمالی دوسری جنوبی۔ ناگری شمالی براہمی رسمِ خط کی ترقی یافتہ شکل ہے، جنوبی ہند کے مختلف رسمِ خط جنوبی براہمی سے اخذ کیے گئے۔ پانینی کے قواعد نے رسمِ خط کے ساتھ زبان کو بھی ایک معیاری شکل دیدی، اور جو کام کئی سو برس سے آہستہ آہستہ ہو رہا تھا، اس کی تکمیل کر دی۔ یہیں پر ویدی کا سلسلہ ختم اور سنسکرت کا شروع ہوتا ہے۔ بول چال کی زبانیں اس کے بعد بھی رہیں اور ان کو کچھ نہ کچھ ترقی بھی ہوتی رہی، لیکن پڑھے لکھے، شائستہ لوگوں کی زبان سنسکرت تھی۔[46]

## اردو، دیوناگری تقسیم

مسلمانوں نے عربی رسم الخط کو کیوں اختیار کیا تھا؟ بقول عبدالستار دلوی وہ ایک ضرورت تھی اور اس بات کو خارج ازامکان نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمانوں (عربوں) نے اپنی سہولت کی خاطر قدیم استھائی رسم الخط کو سیکھنے کی بجائے فارسی کو عربی میں ضبطِ تحریر کیا یہی صورتِ حال ترکی میں بھی رہی ہو اور پھر رعایا نے فاتحین کے ساتھ عربی رسم الخط سیکھا ہو اور ضرورتاً اس کی اصلاح کی ہو۔[47] ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد رسم الخط کی دو متوازی روایتیں تھیں، سنسکرت اور دوسری فارسی۔[48] مرزا خلیل احمد بیگ کے مطابق مسلمان دہلی میں ۱۱۹۳ء میں داخل ہوئے، کھڑی بولی سے ان کا رابطہ پڑا، اس بولی میں عربی، فارسی اور ترکی الفاظ کی آمیزش ہوئی تو اس کا نام اردو پڑا۔[49] ہندوستان میں مسلمانوں نے رسم الخط کے معاملے میں رواداری کا پہلو مد نظر رکھا اور دہلی میں شہاب الدین محمد غوری کی حکومت آئی تو سکّے کے ایک طرف سنسکرت میں کلمۂ طیبہ اور دوسری طرف علم کی دیوی ''سرسوتی'' کی تصویر ہوتی۔[50]

اردو عربی رسم الخط میں لکھی جانے والی زبان ہے جب کہ ہندی دیوناگری میں۔ یہ تقسیم بندی منظّم منصوبہ بندی کے تحت کی گئی تھی۔ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کے للولال جی نے ''پریم ساگر'' گلکرسٹ کے ایما پر لکھی اور اس میں عربی، فارسی الفاظ نکال کر اوران کی جگہ سنسکرت کے الفاظ رکھ کر دیوناگری رسم الخط میں لکھی جانے والی ایک نئی زبان اختراع کی۔[51] حکومت گلکرسٹ کی لسانی پالیسی یہ تھی کہ بالآخر یہ ہوگا کہ ہندو لوگ قدرتی طور پر ''ہندوی'' کی طرف جھکیں گے اور مسلمان لامحالہ عربی اور فارسی کا پیچھا کریں گے۔ اس طرح دو اسلوب جنم لیں گے[52] ڈاکٹر ناصر عباس نیّر کے مطابق اردو، ہندی کی تقسیم بندی دراصل فورٹ ولیم کالج کی لسانی پالیسی کا حصہ تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقاصد سے ہم آہنگ تھا۔[53] للولال جی نے ۱۸۰۳ء میں ''پریم ساگر'' لکھی، بقول مرزا خلیل احمد بیگ فورٹ ولیم کالج ہی نہیں بلکہ انگریز حکومت نے بھی اردو کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کیا تھا۔[54] بیلن ٹائن نے کالج کے ہندو طلبا کو مضمون دیا تھا ''تم اپنی مادری بولیوں کی روزمرہ زندگی کی واحد زبان اور اس کی تہذیب کو حقارت کی نظر سے کیوں دیکھتے ہو؟ گریرسن نے پس پردہ رہ کر ہندی کے لئے بہت کچھ کرنے کا اعتراف کیا۔[55] انگریزوں نے ناگری رسم الخط میں لکھی جانے والی کھڑی بولی کو کبھی ہندوستانی نہیں کہا، وہ ایسی زبان کو ''بھاکا'' کہتے تھے، لیکن 'بھاکا' سے شمالی ہندوستان کی دیگر علاقائی بولیاں بھی مراد ہیں۔ گلکرسٹ کے جانے کے بعد للولال جی بھی غیر ضروری قرار دے کر ۱۸۰۴ء کو فورٹ ولیم کالج سے فارغ کیا گیا۔[56]

نابغہ روزگار، بین الاقوامی شہرت کے حامل اور ماہرِ لسانیات، تاریخ البشریات کے عالم سینتی کمار چٹر جی (جن کے متعلق فلاسفر اور ماہرِ تعلیم جمہوریۂ ہند جناب ڈاکٹر سروپلی رادھا نے کہا تھا کہ پاسکا اور پانینی کے بعد ہندوستان میں دو ہزار سال کی تاریخ میں اتنا بڑا عالم پیدا ہوا ہے) بھی اس خیال کے قائل ہیں کہ اردو کے مقابلے میں ہندی کی تشکیل کی گئی تھی[57] خلیل احمد بیگ کے مطابق ۱۸۰۰ء سے پہلے کھڑی بولی کا وجود بھی نہ تھا اور جب زبان نہ ہو تو ادب کیسے معرضِ وجود میں آسکتا ہے؟[58] عبدالستار دلوی کے مطابق اردو کی قدو قامت بہر حال مسلمہ ہے اور ہندی، اردو کے خلاف طریقے سے فورٹ ولیم کالج اور اس کے بعد پروان چڑھائی گئی۔ اصل زبان اردو ہے اور ہندی کی تشکیل عربی، فارسی الفاظ کو خارج کرکے کی گئی۔ جگن ناتھ راس کے مطابق اردو پہلے سے موجود تھی، اسی میں برج بھاشا کے الفاظ اور بعد میں سنسکرت الفاظ داخل کرکے ہندی بنائی گئی۔ جان گریرسن کے مطابق اس طرح کی زبان کا بھارت میں کہیں پتا نہ تھا اس لیے للولال جی نے "پریم ساگر" نامی کتاب لکھی تب وہ بالکل نئی بھاشا گھڑ رہے تھے۔[59] آر ڈبلیو فریزر کے مطابق جدید ہندی بھاشا کو دو بندوں للولال اور رسدل مشر کی اختراع سمجھنا چاہیے۔[60] انیسویں صدی کے اوائل میں جو زبان "ہندی" کے نام سے موسوم تھی وہ ہماری آج کی اردو تھی، نہ کہ زمانۂ حال کی ہندی، کیوں کہ اس ہندی کا تو اس وقت وجود ہی نہ تھا۔ چناں چہ آج سے دو سو سال پہلے "ہندی" سے صرف ایک ہی زبان مراد لی جاتی تھی اور وہ تھی، اردو۔ اور یہی زبان "ریختہ" کہلاتی تھی اور اسی کا دوسرا نام "ہندوستانی" تھا۔[61] گویا عربی، فارسی الفاظ کی جگہ برج بھاشا اور سنسکرت کے الفاظ کو جگہ دے کر ناگری رسم الخط میں لکھنے والی زبان کو ہندی کا نام دیا گیا۔ عربی رسم الخط اور خود اردو کو مسلمانوں کی زبان کہہ کر اس کی جگہ ناگری رسم الخط اور ہندی زبان کا ڈول ڈالنا دراصل ویدک کلچر اور تہذیب کا احیا تھا۔

*****

## حوالہ جات


1۔ ڈاکٹر فضل الحق، *فنِ خطاطی اور مخطوطہ شناسی* (دہلی، شعبۂ اردو، 1982ء)، 29،30۔

2۔ رشید حسن خاں، *اردو املا* (دہلی، نیشنل اکادمی، 1974ء)، 12 اور 21۔

3۔ شیما مجید، *اردو رسم الخط*، ج 1، مقالہ پروفیسر سجاد مرزا، (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان 1989ء)، 157۔

4۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، *اردو املا اور رسم الخط*، (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1977ء)، 277۔

5۔ ڈاکٹر طارق عزیز، *اردو رسم الخط اور ٹائپ* (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 1987ء)، 150۔

6۔ شیما مجید، *اردو رسم الخط*، مقدمہ بشیر محمود اختر، 7۔

7۔پروفیسر، محمد سلیم، *اردو رسم الخط* (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 1981ء)،15۔

8۔مرزا خلیل احمد بیگ، *لسانی تناظر* (علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، 1997ء)،296۔

9۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، *زبان اور لسانیات* (لاہور، سنگِ میل پبلشرز، 2007ء)،130۔

10۔ ڈاکٹر فضل الحق، *فن خطاطی اور مخطوطہ شناسی*، 34۔

11۔مزید مطالعہ کے لئے دیکھیں: رشید اختر ندوی، *پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان* (اسلام آباد، ادارہ برائے تحقیق و ثقافت، 1995ء)

12۔رشید حسن خاں، *اردو املا*، 12،13۔

13۔طارق عزیز، *اردو رسم الخط اور ٹائپ*، 14۔

14۔ مفتی، محمد شفیع، *معارف القرآن*، طبع جدید، ج8 (کراچی، ادارۃ المعارف، 2003ء)، 530,531۔

15۔ ڈاکٹر فضل الحق، *فنِ خطاطی اور مخطوطہ شناسی*، 48۔50۔

16۔نزیر احمد ملک، *اردو رسم الخط آغاز وارتقا اور جائزہ* (سرینگر کشمیر، سنٹرل لائبریری، 2015ء)، 2۔

17۔ایضاً، 25۔

18۔ ڈاکٹر فضل الحق، *فنِ خطاطی اور مخطوطہ شناسی*، 33۔

19۔ایضاً، 41 اور 43۔

20۔ایضاً

21۔ محمد سلیم، *اردو رسم الخط*، 15۔

22۔ایضاً، 35-36۔

23۔احمد حسن زیات، استاذ، *تاریخ ادبِ عربی*، مترجم عبدالرحمان سورتی (لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1991ء)، 39۔

24۔ فضل الحق، *فنِ خطاطی اور مخطوطہ شناسی*، 44۔46۔

25۔ایضاً، 46۔47۔

26۔ایضاً، 36-37۔

27۔ شیما مجید، *اردو رسم الخط*، ج1، مقالہ پروفیسر سجاد مرزا، 159۔161۔

28۔ محمد سلیم، *اردو رسم الخط*، 29۔

29۔ شیما مجید، *اردو رسم الخط*، ج1، مقالہ پروفیسر سجاد مرزا، 162۔

30۔ایضا، 163۔

31۔ محمد سلیم، اردو رسم الخط، 21، 22

32۔ ایضاً

33۔ محمد مجیب، تاریخ تمدنِ ہند (لاہور، گلوب پبلشرز، اردو بازار، سن ندارد)، 134۔

34۔ رشید اختر ندوی، پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان، 30۔

35۔ ایضاً، 30، 50۔

36۔ ایضاً، 26۔

37۔ ایضاً، 219۔

38۔ ایضاً، 194۔196۔

39۔ محمد مجیب، تاریخ تمدنِ ہند، 25۔

40۔ رشید اختر ندوی، پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان، 216۔

41۔ ایضاً، 47۔

42۔ ایضاً، 48، 49۔

43۔ محمد مجیب، تاریخ تمدنِ ہند، 45۔49۔

44۔ رشید اختر ندوی، پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان، 166۔168۔

45۔ ایضاً، 22-23۔

46۔ ایضاً، 48۔

47۔ عبد الستار دلوی، ایک زبان دو ادب، (بمبئی، دائرۃ الادب، 2007ء)، 219۔

48۔ ایضاً، 133۔

49۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ایک بھاشا جو مسترد کر دی گئی (علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، 2007ء)، 45۔

50۔ عبد الستار دلوی، ایک زبان دو ادب، 132۔

51۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ایک بھاشا جو مسترد کر دی گئی، 57۔

52۔ شمس الرحمان فاروقی، اردو کا ابتدائی زمانہ (کراچی، آج پبلشرز، 2009ء)، 27۔

53۔ ایضاً، 15۔

54۔ مرزا خلیل احمد بیگ، لسانی تناظر، 284۔

55۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ایک بھاشا جو مسترد کر دی گئی، 90۔

56۔ ایضاً، 98، 101۔

57۔ عبدالستار دلوی، ایک زبان دو ادب، 39۔

58۔ایضاً، 22۔

59۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ایک بھاشا جو مسترد کردی گئی، 38۔

60۔ایضاً، 98۔

## Bibliography


Fazl al-Haq. *Fun-e Khttati aur Makhtuta Shinasi*. Delhi: Sho'ba Urdu, 1982.

Hassan Khan, Rashid. *Urdu Imla'*. Delhi: National Academy, 1974.

Majeed, Shima. *Urdu Rasm-ul-Khat*, vol.1. Islamabad: Muqtadirah Qumi Zuban, 1989.

Fatah Puri, Farman. *Urdu Imla' aur Rasm-ul-Khat*. Lahore: Sang-e Meel Publications, 1977.

Aziz, Tariq. *Urdu Rasm-ul-Khat aur Type*. Islamabad: Muqtadirah Qumi Zuban, 1987.

Saleem, Muhammad. *Urdu Rasm-ul-Khat*. Islamabad: Muqtadirah Qumi Zuban, 1981.

Baig, Mirza Khalil Ahmed. *Lisāni Tanazur*. Aligarh: Muslim University, 1997.

Gopi, Chand Narang. *Zuban aur Lisaniyāt*. Lahore: Sang-e Meel Publications, 2007.

Nadvi, Rasheed Akhtar. *Pakistan ka Qdīm Rasm-ul-Khat aur Urdu*. Islamabad: Idarah Barae'y Tahqīq wa Thaqafat, 1995.

Mufti, Mohammad Shafi. *Maā'rif al-Quran*, vol. 8. New edition. Karachi: Idarah al-Maā'rif, 2003.

Malik, Nazir Ahmad. *Urdu Rasm-ul-Khat: Agāz wa Irtiqa aur Jai'zah*. Srinagar: Central Library, 2015.

Ahmad Hassan Ziyat, Ustāz. *Tarikh-e Adab-e Arabi*. Translated by Adul Rahman Surati. Lahore, Shaykh Ghulam Ali & Sons, 1991.

Mujeeb, Muhammad. *Tarikh-e Tamaddun-e Hind*. Lahore: Globe Publishers, nd.

Dalvi, Abdul Sattar. *Aik Zuban Do Adab*. Bombay: Dai'rah al-Adab, 2007.

Baig, Mirza Khalil Ahmed. *Aik Bhasha jo Mustarad kr di Gai*'. Aligarh: Educational Book House, 2007.

Farūqi, Shams al-Rahman. *Urdu ka Ibtidaī' Zamana*. Karachi: Aaj Publishers, 2009